''حرف شوق'' از مختار مسعود میں برطانوی نوآبادیاتی شخصیات کا تذکرہ

ناصر اقبال [1]م ڈاکٹر سمیرا اکبر **

Abstract:

"Mukhtar Masood is a prominent prose writer of Urdu literature. "Harf-i-Shoq" is his last book which publish after his death. In this book Mukhtar Masood write about many personalities who belong to different walks of life. He wrote about many British colonial personalities. In this article theses personalites are discussed. It is an interesting fact that all these personalities belongs to Sir Syed Ahmed Khan or Ali Garh College."

Key Words: Mukhtar Masood, Harf-i-Shoq, British Colonial period, Ali Garh College, Sir Syed Ahmed Khan

مختار مسعود اردو نثر کا ایک معتبر نام ہے۔ جدید اردو نثر میں ان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ نثر لکھنے میں جو مہارت مختار مسعود کوحاصل رہی، وہ بہت کم نثر نویسوں کے حصے میں آئی۔ اردو نثر کی تاریخ میں مختار مسعود نے ندرتِ خیال اور زبان و بیان سے انفرادیت قائم کی۔''حرفِ شوق'' مختار مسعود کی چوتھی اور آخری اُردو کتاب ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۲۰۱۸ء میں ان کی وفات کے بعدلاہورکے مکتبہ تعمیر انسانیت سے شائع ہوئی۔اس کتاب کا انتساب طلبہ علی گڑھ کالج کے نام ہے۔ اس کا دیباچہ مختار مسعود نے خود تحریر کیا۔ جس میں انہوں نے اپنی دیگر کتب سے متعلق گفتگو کی ہے۔حر فِ شوق کے آغاز میں ایک فارسی شعر قلمبند کیا گیا ہے جو کچھ یوں ہے:

سخن اے ہم نشیں ازمن چہ خواہی
کہ من با خویش دارم گفتگوئے

مذکورہ بالا شعر کے بعد انھوں نے الہامی کتاب قرآن پاک کی سورۃ العصر کو شامل کیا ہے۔پانچ سو چونسٹھ صفحات پر مشتمل یہ کتاب کو چار ابواب میں منقسم ہے۔''حرف شوق'' میں انہوں نے اپنے ماضی سے جڑے حالات وواقعات پر بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔''حرفِ شوق'' کا زیادہ تر حصہ علی گڑھ کالج کی یادوں سے متعلق ہے۔ مختار مسعود کی فکری تشکیل اور کردار سازی میں علی گڑھ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔مختارمسعود کی سیاسی اور فکری بیداری میں علی گڑھ کے کردار سے متعلق سیّد ضمیر جعفری رقم طراز ہیں:

> ''علی گڑھ کی محبت ان کے ہاں کوئی ضمنی چیز نہیں ہے۔ علی گڑھ کی ٹوپی اور شیر وانی کو وہ تحریک پاکستان اور مساوات اسلامی کا سمبل سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک قائداعظم کا ظہور درس گاہ سر سیّد اور شعر اقبال کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔ ''(۱)

''حرف شوق''میں مختار مسعود نے مختلف شعبہ ہائے جات اور مختلف مکاتبِ فکر سے منسلک شخصیات کی ایک کثیرتعداد کا تذکرہ کیا ہے۔ برطانوی نو آبادیات سے وابستہ کئی شخصیات کا تذکرہ اس کتاب کا حصہ ہے۔ان میں نمایاں تذکرہ مختلف انگریز اسٹریچیوں کا ہے۔ اس کتاب میں پانچ اسٹریچی انگریز اشخاص کا ذکر کیاگیا ہے۔پہلے اسٹریچی لٹن اسٹریچی ہیں۔لٹن اسٹریچی کا شمار انگریزی کے

---

[1]سکالر ایم فل، شعبہ اردو ، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی ، فیصل آباد
** اسسٹنٹ پروفیسر ، شعبہ اردو ، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی ، فیصل آباد

جدید سوانح نگاروں میں ہوتا ہے۔ معروف امریکن ناول نگار ورجینیا وولف، لٹن اسٹریچی سے متاثر تھی یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی تصنیف کا انتساب لٹن اسٹریچی کے نام کیا ہے۔مختار مسعود کے مطابق علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں لٹن لائبریری بھی لٹن اسٹریچی کے نام سے منسوب ہے۔ مختار مسعود لکھتے ہیں:

''جدید انگریزی سوانح نگاری پر لٹن اسٹریچی کی چھاپ لگی ہے۔ وہ اپنے زمانے میں بہت مقبول تھا۔ ورجینیا ولف نے اپنی کتاب Common Reader کا انتساب اس کے نام کیا تھا۔ آج انگریزی ادب سے ہمارا تعلق اتنا کمزور ہو چکا ہے (اور یہ بات شکایت کے طور پر نہیں بلکہ محض احوال واقعی کے طور پر لکھی جا رہی ہے) کہ اگر پڑھے لکھے لوگوں کی محفل میں کوئی یہ انکشاف کرے کہ علی گڑھ میں اسٹریچی ہال اور لٹن لائبریری دونوں عمارتیں ادیب لٹن اسٹریچی کے نام سے منسوب ہیں تو سب اس کی تحقیق ودانش کی داد دیں گے۔''(۲)

دوسرے اسٹریچی ایل این اسٹریچی ہیں۔ ان کی بیٹی بنت ایل این اسٹریچی کا تذکرہ بھی ''حرف شوق'' کا حصہ ہے۔ اس خاتون سے متعلق مختار مسعود نے کہا ہے کہ ایل این اسٹریچی نامی انگریز افسر کی صاحب زادی نے علی گڑھ کالج کو ۱۸۸۵ء میں مبلغ پانچ سو روپے چندہ دیا جو اس زمانے میں بہت بڑی رقم تصور کی جاتی تھی۔ اس لڑکی سے متعلق مختار مسعود لکھتے ہیں:

''ایل۔این اسٹریچی کی دختر نے اسٹریچی ہال کی تعمیر کے لیے پانچ سو روپے چندہ دیا تھا۔ اس کا نام ہال میں کندہ ہے۔ ۱۸۸۵ء میں یہ بہت بڑی رقم تھی۔ ''(۳)

اس کے بعد انھوں نے آرتھر اسٹریچی کا ذکر کیا ہے۔آرتھراسٹریچی کی شخصیت برطانوی نو آبادیاتی نظام کی علامت کے طور پر سامنے آتی ہے۔ آرتھراسٹریچی درحقیقت سرجان اسٹریچی کا فرزند ہے۔آرتھراسٹریچی نے انگلستان سےقانون کیٰ تعلیم حاصل کی اور الٰہ آباد میں وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ علی گڑھ کالج کے انتظام وانصرام چلانے کے لیے آرتھراسٹریچی کی خدمات نمایاں ہیں۔بقول مختار مسعود:

''اسٹریچی نمبر دو ایک لڑکا ہے۔ نام آرتھر ہے۔ سرجان اسٹریچی کا بیٹا ہے۔ بیرسٹری کا امتحان پاس کر چکا ہے۔ آج الٰہ آباد میں وکالت کرتاہے۔ کل وہاں کا چیف جسٹس ہو گا۔ پر سوں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج فنڈ کمیٹی کے ٹرسٹی مقرر کرنے اور ان کے دائرہ کار اور طریق کار متعین کرنے کے قانون کا مسودہ تیار کرے گا۔ ترسوں وہ سید محمود کے ہمراہ انگلستان میں علی گڑھ کالج کے لیے پرنسپل کی تلاش میں سرگرداں ہوگا۔ دونوں مل کر تھیوڈور بنک کو منتخب کریں گے۔''(۴)

مختار مسعود نے سرجان اسٹریچی کی اہلیہ اور معروف بیرسٹر آرتھر اسٹریچی کی والدہ لیڈی اسٹریچی کی خدمات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ لیڈی اسٹریچی فن مصوری میں بھرپور مہارت رکھتی تھیں۔ سرسید احمد خاں اور لیڈی اسٹریچی کے مابین عزت واحترام پر مبنی خوش گوار تعلقات قائم تھے اور لیڈی اسٹریچی بھی علمی میدان میں سرسیداحمدخاں کی خدمات کی معترف تھی ۔ مختار مسعود نے ان کے مشاغل اور مختلف تقاریب میں ان کی بھرپور شرکت پر اپنے خیالات کو یوں قلم بند کیا ہے:

''اسٹریچی نمبر تین ایک خاتون ہینسرجان کی بیگم اور آرتھر کی والدہ، اسٹریچی ہال کے افتتاح کے موقع پر دونوں ماں بیٹا اس تقریب میں شامل تھے۔ میرا خیال ہے کہ اس روز ہال میں سرسید کی وہ تصویر بھی آویزاں ہو گی جو لیڈی اسٹریچی نے بنائی تھی۔لیڈی اسٹریچی کومصوری اور صورت گری کا شوق تھا۔سرسید کو اس تصویر کے لیے الٰہ آباد کے کئی پھیرے ڈالنے پڑے تھے۔ ہر پھیرے کا مقصد نشست برائے عمل عکاسی ہوا کرتا تھا۔''(۵)

اس کے بعد انھوں نے سررچرڈ اسٹریچی کی شخصیت کی عکاسی کی ہے۔سررچرڈ اسٹریچی برطانوی انتظامیہ میں بہت سے اہم عہدوں پر فائز رہے۔سر رچرڈ اسٹریچی کو ان کی خدمات اور پیشہ وارانہ زندگی میں عمدہ کارکردگی کی بدولت حکومت کی جانب سے ''سر'' کا خطاب بھی ملا۔برطانوی پارلیمنٹ میں سر رچرڈ کا اثرورسوخ کافی تھا اور سرسید احمدخان کی فرمائش پر مسلمانوں کے لیے

الگ تعلیمی ادارہ قائم کرنے کا بل انھوں نے برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کیا جس پر بذریعہ خط سرسید نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ مختار مسعود ان کی شخصیت اور پیشہ وارانہ زندگی سے متعلق لکھتے ہیں:

''چوتھے اسٹریچی کا نام رچرڈ تھا۔ پیشے کے اعتبار سے فوجی تھے۔ انھوں نے اپنے دئورہ زندگی میں بہت سی کامیابیاں حاصل کیں۔ فوج میں درجہ بہ درجہ ترقی کرتے ہوئے لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے تک جا پہنچے۔سول انتظامیہ کے بہت سے پالیسی ساز اداروں سے وابستہ رہے۔ برطانوی عہد کے گورنر جنرل کو نسل کے رکن مقرر ہوئے۔ سر کا خطاب ملا۔ اعزاز اور ترقی کا سلسلہ برعظیم سے رخصت ہونے کے بعد بھی جاری رہا۔ واپس انگلستان پہنچے اور کونسل آف انڈیا کی رکنیت پر فائز ہو گئے۔''(۶)

مختار مسعود نے سرجان اسٹریچی کا ذکر تفصیلاً کیا ہے۔ سرجان اسٹریچی کووہ پانچواں اور اصلی اسٹریچی کہتے ہیں۔ وہ ہندوستان کی بڑی ریاست اترپردیش جسے عام زبان میں یو۔پی بھی کہا جاتا ہے، کے صوبائی نائب گورنر رہے۔اس دور میں صوبائی نائب گورنر ایک بڑا عہدہ تسلیم کیا جاتا تھا اور اس پر ہمیشہ برطانیہ کے انگریز شخص ہی کو مقرر کیا جاتا تھا۔سرجان اسٹریچی سے سرسید کے ذاتی مراسم اور دوستانہ تعلقات تھے۔انھوں نے علی گڑھ کالج کے قیام،زمین کی فراہمی اور برطانوی حکومت سے کالج کی منظوری دلوانے جیسے تمام اہم مراحل میں بڑی مدد کی۔ مختار مسعود نے ان خدمات کو یوں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں:

''اب پانچویں اور اصلی اسٹریچی کا ذکر ہو جائے۔نام سرجان اسٹریچی، عہدہ کے لحاظ سے صوبائی لیفٹیننٹ گورنر، مسئلہ زیرِغور مدرسۃ العلوم کے لیے زمین کی فراہمی--- وہ ۱۸۷۴ء میں یو۔ پی کا لیفٹیننٹ گورنر مقرر ہوا۔ نئے گورنر کے ساتھ سرسید کے دیرینہ تعلقات اس آڑے وقت میں بہت کام آئے۔ سرجان اسٹریچی کو جوں ہی فرصت ملی وہ علی گڑھ پہنچے۔ سرسید کے ساتھ بگھی میں بیٹھ کر موقع ملاحظہ کیا۔ قصۂ زمین بر سرزمین۔ فیصلہ کالج کے حق میں ہو گیا۔''(۷)

مختار مسعود نے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کی تعمیر کے سلسلے میں مختلف برطانوی اعلیٰ عہدیداروں کا ذکر بھی کیا ہے۔ انھوں نے سب سے پہلے علی گڑھ کے کلکٹر ہنری لارنس کا ذکر کیا ہےجنہوں نے علی گڑھ کالج کے لیے زمین عطیہ کرنے کی دستاویزات کی منظوری دی اور ان کو اعلیٰ عہدیدار صوبائی نائب گورنر سرولیم میور کو بھیجا۔ بعدازاں علی گڑھ کے نئے کلکٹر مسٹر مانٹیگو اور صوبائی نائب گورنر مسٹر کالون کاذکر کیا ہے جنہوں نے مسلمانوں کو تعصب کی نگاہ سے دیکھا اور کالج کی منظوری میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔ بعدازاں لارڈ لٹن نے اس کالج کی منظوری دے دی اور یوں کافی مشکلات کے بعدبالآخر علی گڑھ کالج کا افتتاح ایک انگریز لارڈ کے ہاتھوں ہوا۔ اس انگریز اعلیٰ عہدیدار کی خصوصی شفقت سے متعلق مختار مسعود یوں لکھتے ہیں:

''جس مدرستہ کا افتتاح ضلع کے ڈپٹی کلکٹر نے کیا تھا اس کا سنگِ بنیاد ۸ جنوری ۱۸۷۷ء کو ہزایکس یلینسی رائٹ آنرایبل ایڈورڈ رابرٹ لٹن بہادر، لٹن بیرن، لٹن آف نیت ورتھ جے۔ایم۔ایس۔ آئی، وائسرائے و گورنر جنرل کشور ہند نے رکھا تھا۔ یہ ایک پر تکلف تقریب تھی۔اس کا انتظام اور اہتمام موقع کی اہمیت اور مہمانِ خصوصی کی حیثیت کے شایانِ شان تھا۔''(۸)

مختار مسعود نے ہندوئوں اور مسلمانوں میں مذہبی، سماجی، معاشی، سیاسی، لسانی اور ذہنی جھگڑوں کا موجب بھی برطانیہ کے ان نمائندہ افراد کو ٹھہرایا ہے جنہوں نے یہاں کئی دہائیوں تک سازشی کردار ادا کرکے دونوں قوموں کو ایک دوسرے سے متنفر کر دیا۔ مختار مسعود نے ان انگریز کرداروں کا پردہ چاک کیا ہے جنہوں نے برطانوی نظامِ حکومت کی مضبوطی کی خاطر ہندوستان میں فرقہ واریت اور مذہبی منافرت کو فروغ دیا۔ ۱۸۶۷ء میں جب ہندی اور اُردو کا لسانی جھگڑا مسلمانوں اور ہندوئوں کے مابین ہوا تو اس میں جس شخصیت نے اہم کردار ادا کیا، وہ مسٹر شیکسپیئر تھے۔ وہ اس دور میں اعلیٰ عہدیدار کے طور پر مشہور تھے۔ مسٹر شیکسپیئر کے متعلق مختار مسعود اپنے خیالات یوں رقم کرتے ہیں:

''۱۸۶۷ء میں بنارس کے ہندو رئوسا اور سرکردہ اشخاص نے ایک کمیٹی اس تحریک کے لیے

تشکیل دی کہ سرکاری عدالتوں میں اُردو کی جگہ ہندی زبان رائج کی جائے اور اس کا رسم الخط دیوناگری ہونا چاہیے۔ ان دنوں سرسید بنارس میں جج عدالت مطالبہ خفیفہ اور مسٹر شیکسپیئر وہاں کے کمشنر تھے۔زبان کے اس جھگڑے کے بارے میں ان دونوں کی گفتگو ایک مشہور واقعہ ہے جس کی تفصیل حالی کی ''حیات جاوید'' میں درج ہے۔ساری بحث صرف دو جملوں میں سما جاتی ہے۔کمشنر شیکسپیئر نے حیرت سے کہا، آج یہ پہلاموقع ہے کہ میں نے تم سے خاص مسلمانوں کی ترقی کا ذکر سنا ہے، اس سے پہلے تم ہمیشہ عام ہندوستانیوں کی بھلائی کا خیال ظاہر کرتے تھے۔''(۹)

مختار مسعود نے ''حرفِ شوق'' میں ایسٹ انڈیا کمپنی کلکتہ کے مختلف وائسرائے اور ان کے دیگر برطانوی عہدیداروں کا ذکر بھی کیا ہے۔اس حوالے سے انھوں نے فورٹ ولیم کالج کی مثال بھی دی ہے۔فورٹ ولیم کالج کے قیام کا خیال ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحت لارڈ ویلز لی کو آیا۔انھوں نے اپنے دور میں انگریز سرکاری اہل کاروں کو ہندوستان کی تہذیب وثقافت اور معاشرت سے آگاہ کرنے کے لیے فورٹ ولیم کالج کی بنیاد رکھی۔اس تناظر میں انھوں نے لارڈ ویلزلی، ڈاکٹر جان بارتھوک گل کرسٹ اور چند دیگر برطانوی عہدیداروں کا ذکر کیا ہے۔ لارڈ ویلزلی کے متعلق انھوں نے لکھا ہے:

''فورٹ ولیم کالج تربیتی کالج قائم کرنے کاخیال گورنر جنرل لارڈ مارکوئس ونر کی کوزما۔۔۔ (ہندوستان کی) شہنشائی کو ایک مقدس امانت اور اس (سرزمین) کی مالکیت کو اس مستقل امر قرار دینا چاہیے۔ فرض، پالیسی اور ناموس کا تقاضا ہے کہ اس قبضے کو عارضی سمجھتے ہوئے اس علاقہ پر بے یقین (اور بے دلی) سے حکومت نہ کی جائے۔ لارڈ موصوف نے یقین کے ساتھ جم کر حکومت کرنے کا ایک طریقہ یہ سوچاکہ کمپنی کے عملہ کو ہندوستان پر حکومت کرنے کی باقاعدہ تربیت دی جائے۔ اس بات پر انحصار نہ کیا جائے کہ جب کوئی آزمائش آئے گی اس وقت کوئی کلائیو، کوئی ہیسٹنگز (اور کوئی) ولزلی خودبخود پیدا ہو جائے گا۔''(۱۰)

مختار مسعود نے فورٹ ولیم کالج، کلکتہ کے اہم کردار پروفیسر ڈاکٹر جان بارتھوک گل کرسٹ کا تذکرہ بھی بھرپور انداز میں کیا ہے۔ڈاکٹر گل کرسٹ نے فورٹ ولیم کالج کی ترقی کے لیے بہت محنت کی اس حوالے سے انھوں نے پورے ہندوستان سے مختلف منشیوں کو کالج میں بھرتی کرایا اور ان سے مختلف عالمی شاہ کاروں کے قصے کہانیوں میں نثری اُردو تراجم کرائے۔ گل کرسٹ کو مختار مسعود نے برصغیر پاک وہند کے سیاسی تناظر میں ایک منفی کردار کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

''کئی منشیوں کے بارے میں یہی واقعہ پڑھنے کو ملتا ہے کہ صاحبانِ عالی شان خصوصاً پروفیسر ڈاکٹر گل کرسٹ کی ادب نوازی اور علم دوستی کی ضربیں اس کے کانوں تک پہنچیں تو وہ اپنی لکھی ہوئی کسی داستان کا مسودہ بغل میں دبائے ہوئے دہلی سے بنارس، غازی پور، مرشد آباد ہوتے ہوئے کلکتہ پہنچا۔ مسودہ گل کرسٹ کی خدمت میں پیش کیا۔ انہیں قصہ پسند آیا اور فورٹ ولیم کالج میں عرض گزار کی ملازمت کا سبب بنا۔ منشی کا عہدہ ملا۔ مشاہرہ چالیس روپے ماہوار ٹھہرا۔ ترجمہ کے لیے ایک آدھ فارسی کتاب ان کے سپرد ہوئی۔ اس کے علاوہ منشی یا مترجم کا عہدہ حاصل کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ ڈاکٹر گل کرسٹ کے کسی جاننے والے کی انگلی پکڑیں اور ان کے حضور پیش ہو جائیں۔''(۱۱)

علاوہ ازیں انھوں نے تھیوڈور بنک اور پرنسپل مارلسن کے بارے میں بھی قلم فرسائی کی ہے۔تھیوڈور بنک اور مارلسن علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں انتظامی عہدوں پر تعینات تھے۔ مذکورہ بالا دونوں اشخاص کانگرسی سازشوں سے بخوبی آگاہ تھے اور ہندوستان کی تہذیب وثقافت پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ مختار مسعود نے جابجا دونوں شخصیات کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اس حوالے سے وہ پرنسپل مارلسن کے خیالات کا اندراج یوں کرتے ہیں:

''پرنسپل مارلسن نے ۱۸۹۳ء میں ایک خطبہ دیا جس میں کہا کہ مسلمان آج کل ایسے ہیں جیسے ان کے دل بجھ گئے ہوں اور ان کو یقین ہو کہ ان کی شان وشوکت کا زمانہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا ہے۔ (یہ سچ ہے کہ) اگر مسلمان کوشش نہ کریں تو اس ملک سے ان کی قوم مٹ جائے گی۔

مارلسن نے اس خدشے کا برملا اظہار کیا کہ اگر مسلمانوں نے بے تعلقی اور بے تدبیری کو ترک نہ کیا تو ان کی اولاد کا وہی حال ہوگا جو روس کے مسلمانوں کی اولاد کاہوا ہے۔''(۱۲)

مختار مسعود کی تصنیف بعنوان ''حرفِ شوق'' میں برطانوی استعماری اور نوآبادیاتی نظام کی نمائندہ شخصیات کا بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انھوں نے زیادہ تر انگریزوں کے ان عہدیداروں اور انتظامی افسروں کا ذکر کیا ہے جو کسی نہ کسی حوالے سے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی اور سرسید احمد خاں کی ذات سے وابستہ تھے۔اس تناظر میں انھوں نے اسٹریچی نام کے کئی عہدیداروں اور برطانوی اشخاص کا ذکر کیا ہے اور یہ امر لائق دل چسپی ہے کہ تمام افراد کا تعلق علی گڑھ یونی ورسٹی سے جڑا ہوا تھا۔ علاوہ ازیں انھوں نے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے اہم برطانوی عہدیداروں، برطانوی وائسرائے، مختلف صوبہ جات کے اعلیٰ انتظامی افسروں اور مختلف اضلاعِ ہندوستان کے کلکٹرز وغیرہ نمایاں ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ضمیر جعفری، سید، تنقیدی مقالات، پشاور: شعبہ اردو، جامعہ پشاور، ۱۹۹۶ء ص۱۰۱
۲۔ مختار مسعود، حرفِ شوق، لاہور: مکتبہ تعمیرانسانیت، اشاعت سوم، ۲۰۱۸ء، ص۲۷
۳۔ ایضاً، ص۲۷
۴۔ ایضاً، ص۲۸
۵۔ ایضاً، ص۲۸
۶۔ ایضاً، ص۲۹
۷۔ ایضاً، ص۳۰۔۳۱
۸۔ ایضاً، ص۳۵
۹۔ ایضاً، ص۳۳۳
۱۰۔ ایضاً، ص۳۸۰۔۳۸۱
۱۱۔ ایضاً، ص۳۸۶
۱۲۔ ایضاً، ص۲۸۵